عظیم قائد کا عظیم آرٹ

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhammad Arshad Ovaisi

Head, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

محمد لقمان

Muhammad Luqman

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah was renowned political leader and founder of Pakistan. He was blessed with amazing ability of oration. His speeches and behests are magnificient godown of National Language of Pakistan. His literary inclinations and ideas exerted everlasting impression on Urdu Language and Literature. As an artist he was convinced of elevated contents, supreme contemplations and elegant description. His style of narration is unadorned, simple and easy. Ratiocination, perception, clarification, veteran and countenace are distinctive features of his incomparable art. Brevity, contraction and comprehensiveness of Quaid's Art greatly influenced Urdu Language. Quality of meaningfulness, fluency and ripeness made Quaid's Art precious.

آرٹ Art کے لیے اردو زبان میں فن اور عربی زبان میں ساخت اور صناعت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔اردو زبان میں فن کے لیے ہنر، لیاقت، استعداد، صلاحیت، مشق، تجربہ اور کاری گری کی اصطلاحات بھی مستعمل ہیں۔فن عام طور پر ریاضت، ہنر، آرٹ اور تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار

کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ان تخلیقی اور ذہنی صلاحیتوں کا اظہار شاعری کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور نثر پاروں کی صورت میں بھی۔ ان خداداد صلاحیتوں کا اظہار فنِ تعمیر کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور جوشِ خطابت کی صورت میں بھی۔ یہ تخلیقی جوہر تحریر و تقریر دونوں صورتوں میں بھی عیاں ہوسکتا ہے۔ ولیم ٹامسن ورٹے باٹ فن (Art) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''کامل، ہنرمند، وہ شخص جو قسم قسم یا مختلف طریق سے گفتگو کر سکتا ہو، عجیب طرح سے بات چیت کرنے والا، معجزہ بیان۔''(۱)

فن کار اپنی حرکات وسکنات، آوازوں، صورتوں، خطوں، تحریروں اور تقریروں کے وسیلے سے اپنے فن کا اظہار کرتا ہے۔ حقیقی فن کار بلند کردار، سادہ فطرت، نیک دل، پاکیزہ جذبات کے ساتھ ساتھ بلند نگاہ، سخن دلنواز اور جاں پرسوز جیسی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ اس کے فن کا اظہار اس کی تخلیقات سے ہوتا ہے، یہ تخلیقات خواہ کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتی ہوں۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''فن کار کا کام اپنے اندر اس احساس کو بیدار کرنا ہے جس کا اسے مشاہدہ ہو چکا ہے اور حرکات، خطوط، الوان، اصوات یا الفاظ میں بیان کی ہوئی صورتوں کی وساطت سے احساس کو اس طرح دوسروں تک پہنچانا کہ وہ بالکل اسی احساس کا مشاہدہ کریں۔ یہ ہے فن (Art) کی فعلیت اور اگر فن ایسا نہیں کرتا تو وہ فن ہی نہیں۔''(۲)

قائداعظم محمد علی جناح برصغیر پاک و ہند کے ایک عظیم رہنما اور فن کار تھے۔ ان کی تحریریں اور تقریریں ان کے بے مثال فن کی عکاس ہیں۔ فن کی تخلیق میں شعور کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ قائد اعظم ایک ایسے باشعور فن کار تھے جنھوں نے اپنی تحریر اور تقریر کو ایک آلے کے طور پر استعمال کیا۔ پاکستان کا حصول ان کے فن کا ماحصل ہے۔ مسلمانانِ پاک و ہند کے نفسیاتی، داخلی، خارجی مسائل اور حقائق کی خوب صورت ترجمانی ان کے فن کا حصہ ہے۔ انھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے نقطۂ نظر کو مؤثر انداز سے پیش کیا۔ گردوپیش کے حالات و واقعات کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور ان مشاہدات کو اپنی اردو تحریر و تقریر میں پیش کیا۔ وہ ان تمام منفی قوتوں کے سامنے فولادی دیوار بن جاتے ہیں جو ان کے نظریہ کو مٹانا چاہتی ہیں۔ انھوں نے قومی، ملی، سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی اور عالمی موضوعات پر بحث کی۔ ان کے قول و فعل سے صداقت، واقعیت اور حقیقت کا رنگ جھلکتا ہے۔ وہ جس کام کا عزم کر لیتے تھے باوجود مشکلات کے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر دم لیتے۔ راجہ رشید محمود قائداعظم کے فن (Art) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''قائداعظم نظم وضبط کے پاسدار تھے۔ وقت کے قدردان تھے،

قانون کا احترام کرتے ہوئے سب کچھ کہہ دیتے تھے۔ان کا ظاہر و باطن ایک تھا، مبالغہ آمیزی کو پسند نہیں کرتے تھے، حقیقت پسند آدمی تھے۔ انھوں نے ملی مقاصد کی راہ میں آنے والے ہر روڑے کو پائے استحقار سے ٹھکرایا اور غیرت کی تاریخ میں ایک نئے باب کی نیو ڈالی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کے مسلم عوام پر قائداعظم کی گفتگو کے ایک ایک فقرے اور لفظ کا اثر ہوتا تھا۔''(۳)

قائداعظم ایک عمل پرست انسان تھے۔انھیں قوم کی پستی اور انحطاط کسی طور قبول نہ تھا۔اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے انھوں نے مسلمانوں میں ایک ولولہ تازہ پیدا کیا۔قومی زندگی کی مشکلات و امتحانات میں شانِ دلفریبی پیدا کرنے کی بجائے انھیں فرسودگی وانحطاط کی تصویر دکھلا کر عملی زندگی کا درس دیا۔ان کی تحریر وتقریر میں کہیں بھی مایوسی اور قنوطیت نظر نہیں آتی۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اس طرح کا ایک بھی لفظ ان کی قوم کے لیے چنگیز اور ہلاکو کی فوجوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا لہٰذا انھوں نے قوم کے سامنے جو نظریہ پیش کیا، وہ جستجو، عمل پرستی، ہمت، محنت اور جذبہ جنون سے عبارت ہے۔ وہ ایمان ویقین اور حق گوئی کے پیکر تھے۔ان کے بیانات اور ارشادات میں بھی یہ امتیازی وصف پایا جاتا ہے۔اگر قائداعظم کی زبان، تقریر اور تحریر میں اخلاص، سوزِ یقین اور خونِ جگر جیسے اوصاف نہ ہوتے تو وہ بڑے بڑے اجتماعات کو قطعاً متاثر نہ کر سکتے۔ان کے حوالے سے اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایسے مقصدی فن کار (Artist) تھے جنھوں نے مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کی تاریک زندگیوں میں امید وبیم کا نور بھر دیا تو بے جا نہ ہوگا۔انھوں نے ظلم وستم کی چکی میں پسے ہوئے محکوم مسلمانوں کو انقلاب کی لذت سے آشنا کیا اور جستجو کے لیے آمادہ کیا۔ جستجو انسان کو عمل کے لیے آمادہ کرتی ہے۔عمل، محنت وکوشش کا متقاضی ہوتا ہے اور محنت پیہم سے ہنر (Art) لازوال مقام حاصل کرتا ہے۔قائداعظم اس حوالے سے فرماتے ہیں:

''جب رسول مقبول ﷺ نے اپنے دین کی تبلیغ شروع کی تو وہ دنیا بھر میں صرف ایک کی اقلیت میں تھے لیکن قرآنِ مجید کی اعانت سے انھوں نے ساری کائنات کو چیلنج کیا اور مختصر ترین مدت میں دنیا میں عظیم ترین انقلاب برپا کر دیا۔اگر مسلمان یقین کی وہ قوت، تنظیم، نظم وضبط اور ایثار کی وہ طاقت حاصل کر لیں تو انھیں ساری دنیا کی معاندانہ قوتوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنی سہل نگاری کو جھٹک دیں، شکست خوردہ ذہنیت اور مایوسی سے نجات حاصل کر لیں۔ وہ اپنا یقین دوبارہ حاصل کریں، اپنی روحوں کو دوبارہ تسخیر کریں اور ہند میں اپنی تاریخ

ایک بار پھر رقم کریں۔"(۴)

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بیدار مغز فن کار کی طرح ہندوستانی تہذیب کی معاشرتی ناہمواریوں، انسانی مسائل و الجھنوں، رسم و رواج، تاریخ و روایات، ثقافتی کش مکش اور ذہنی و فکری تصادم پر کھل کر بحث کی ہے۔ قائد کے عہد میں قوم دگرگوں حالات کا شکار تھی۔ قوم کا ہر ہنر عیب میں تبدیل ہو چکا تھا۔ سامراجی غلبے کی بدولت قوم کی ذہنی و فکری صلاحیتیں اضمحلال کا شکار تھیں۔ قائد کی دور بین نگاہوں نے مسلمانوں کی جملہ انسانی کمزوریوں اور معاشی پس ماندگی کے اسباب تلاش کیے۔ انھوں نے اپنی تحریر و تقریر کے فن سے مفلوک الحال اور مایوسی کی گہری دلدل میں دھنسی ہوئی قوم کو نشانِ منزل سے روشناس کیا۔ اپنے مخصوص زاویۂ نظر سے قوم کی کشتی کو مسائل کے گرداب سے نکال کر منزلِ مقصود سے ہمکنار کیا۔ نہرو اور دیگر ہندو رہنماؤں نے ان کے نظریات اور افکار پر بہت سی نکتہ چینیاں کیں لیکن قائد فولادی عزم کے ساتھ منزل کی جانب بڑھتے رہے اور مخالفین کی تنقید کو کبھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔

قائد کی تقاریر سے اس عہد کے معاشرتی ڈھانچے اور سماجی فلسفے کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے ایک ماہر فن کار کی طرح ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور معاشرت کا تجزیہ کیا اور اس تجزیے کو فن کاری کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کیا۔ ان حقائق کے اظہار کے لیے انھوں نے جو اسلوب اپنایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بلند تخیل اور منفرد اندازِ بیان نے ان کے فن (Art) کو نابغہ روزگار بنا دیا۔ اپنی تقاریر میں انھوں نے ہندوستانی سماج کی جوجیتی جاگتی تصاویر پیش کی ہیں وہ قائد کے گہرے مشاہدے اور تجربے کی مرہونِ منت ہیں۔ جولائی ۱۹۴۲ء میں قائداعظم نے فرمایا:

> "ہم ایک قوم ہیں اور ہماری تہذیب و ثقافت ہماری اپنی ہے۔ ہماری اپنی زبان ہے، ہمارا اپنا ادب ہے، ہمارا اپنا فن ہے اور ہم اپنے فنِ تعمیر پر ناز کرتے ہیں۔ ہمارے نام اور نام رکھنے کے اصول ہمارے اپنے ہیں۔ اقدار اور نسبتوں کا تصور ہمارا اپنا ہے۔ ہمارا اپنا قانون اور ہمارا اپنا نظامِ اخلاق ہے۔ ہماری رسومات، کیلنڈر، تاریخ، روایات اور امنگیں صرف ہم ہی سے ماخوذ ہیں اور زندگی کو جانچنے اور سمجھنے کا انداز اور زندگی کو تابع کرنے کے مسائل اور زاویے ہمارے اپنے ہیں۔"(۵)

قائداعظم اردو زبان و ادب سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ ان کے ارشادات ادبی ذوق کے حامل ہیں۔ وہ اردو شاعری کے حسن و معانی کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ وہ لفظ و معنی کی حدود سے واقفیت رکھتے تھے۔ اردو شاعری کی نظم و ترتیب، حسنِ بیان اور تناسب و توازن کا گہرا ادراک رکھتے تھے۔ وہ فن پارے کی تاثیر اور دلآویزی جیسی خصوصیات سے آگاہی رکھتے تھے۔ وہ اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ

تخیل، جذبات، وجدان، احساسات، مشاہدات اور تجربات ایسے محرکات ہیں جن سے ایک اعلیٰ فن کی تخلیق ہوتی ہے۔ تخلیق ایک ایسی راہ ہے جس پر چل کر ایک فن کار اپنے کمالات کے زور سے زندگی کے حقائق بے نقاب کرتا ہے۔ یہ چیز سچی لگن، محبت اور عشق کی پیداوار ہے۔

قائداعظم ۹ نومبر ۱۹۴۴ء کو یومِ اقبال کے موقع پر اقبال کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اگرچہ آج علامہ اقبال ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ان کا غیر فانی کلام ہمارے دلوں کو گرماتا رہے گا۔ ان کی شاعری جو کہ حسنِ بیان کے ساتھ حسنِ معانی کی بھی آئینہ دار ہے۔ اس عظیم شاعر کے دل و دماغ میں ان پنہاں جذبات، حسیات اور افکار کی عکاسی بھی کرتی ہےجن کا سرچشمہ سرمدی تعلیمات ہیں۔ وہ اسلام کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ ان کی زندگی ایک شاعر کے بلند مقاصد کے ساتھ ایک عملی انسان کی حقیقت پسندی کا حسین امتزاج ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ سعیِ پیہم ان کے پیغام کا جزوِ لاینفک ہے۔''(۶)

قائداعظم کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اردو شاعری سے حد درجہ لگاؤ رکھتے تھے۔ اردو شاعری کی فنی وفکری خصوصیات سے انھیں کافی آگہی تھی۔ قائداعظم اور اقبال کے مابین بے حد ذہنی و فکری ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ مسلمانانِ ہند کی نشاۃِ ثانیہ اور عظمتِ رفتہ کی خاطر اقبال جس نوع کی انقلابی شاعری کر رہے تھے، قائداعظم ان کے اس مجاہدانہ اقدام سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ اقبال کے فن کی دل سے قدر کرتے تھے اور اسے مسلمانوں کے لیے دل و جان سے عزیز سمجھتے تھے۔ یہ فکر ایک ایسے سچے فن کار کی ہی ہوسکتی ہے جو فن سے کامل آگہی رکھتا ہو۔ ۹ اگست ۱۹۴۱ء کو حیدرآباد دکن میں یومِ اقبال کے لیے ایک پیغام دیتے ہوئے فرمایا:

> ''ہر عظیم تحریک کی پشت پر ایک فلسفی ہوتا ہے اور اقبال مسلم ہند کی نشاۃِ ثانیہ کے فلسفی تھے۔ انھوں نے اپنے پیچھے مجموعۂ کلام کی شکل میں ایک سیر حاصل اور بے حد بیش قیمت ورثہ چھوڑا اور ایک پیغام نہ صرف مسلمانانِ ہند کے لیے بلکہ اقوامِ عالم کے لیے بھی اقبال ایک شاعر تھے جنھوں نے مسلم ہند کو ترغیب دی کہ وہ جذبے اور عزم بالجزم کے ساتھ اسلام کی عظمتِ رفتہ کو لوٹا دیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ان کے کلام کو پڑھنا، سمجھنا اور حرزِ جاں بنانا چاہیے۔''(۷)

قائداعظم محمد علی جناح نہ شاعر تھے، نہ نثار مگر ان کے ارشادات اور تقاریر میں جو سلاست، روانی اور سادگی پائی جاتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں زبان و بیان پر کامل مہارت حاصل تھی۔ ان کے ارشادات عام فہم اور ابہام سے قطعی طور پر پاک ہیں۔ وہ اپنی بات کو بلا جواز طول دینے سے گریز کرتے تھے۔ اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو ایجاز اور جامعیت سے پیش کرنے کا فن فقط وہی جانتے تھے۔ طویل موضوع کو اس قدر جامعیت سے پیش کرتے تھے گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ ان کی تحریر و تقریر کا ایک ایک جملہ مقصدیت سے لبریز ہے۔ ان خصوصیات کے علاوہ ان کے اندازِ بیان میں بلا کی تاثیر پائی جاتی تھی جو سامعین اور قارئین کو اپنے مخصوص سحر میں جکڑ لیتی تھی۔ مخالفین کو بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ قائداعظم اپنے فن میں طاق تھے۔ تصنع اور جھوٹ سے انھیں نفرت تھی۔ راجہ رشید محمود اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> ''چشمِ عالم نے بنظرِ غائر دیکھا کہ قائداعظم حقیقت پسند آدمی تھے۔ مبالغہ آمیزی، تصنع اور جھوٹ سے انھیں دلی نفرت تھی۔ وہ نظم وضبط کے پاسدار تھے۔ انھوں نے اعلائے کلمۃ الحق کو اپنی زندگی کی اساس سمجھا۔ وہ بات کے دھنی تھے۔'' (۸)

قائداعظم کے مخاطبین عوام اور خواص دونوں تھے۔ وہ ان دونوں طبقات کی ذہنی سطح اور علمی قابلیت کو مدِ نظر رکھ کر ایسی زبان استعمال کرتے تھے کہ لوگ اسے با آسانی سمجھ جاتے تھے۔ ان کی عبارت برجستہ، صاف، واضح اور بناوٹ سے پاک تھی۔ فطری انداز اپناتے ہوئے اپنا مافی الضمیر اس قدر سادگی سے بیان کرتے تھے کہ کہیں مشکل پسندی اور پیچیدگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں تین لاکھ سے زائد افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے آسان اور عام فہم انداز اختیار کرتے ہیں: ''میں آپ پر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو کے سوا اور کوئی نہیں ہو گی جو کوئی آپ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے وہ دراصل پاکستان کا دشمن ہے۔ کوئی قوم ایک سرکاری زبان کے بغیر ٹھوس طور پر متحد رہ کر کام نہیں کر سکتی، آپ دوسرے ملکوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ جہاں تک پاکستان کی سرکاری زبان کا تعلق ہے وہ اردو ہونی چاہیے۔''

قائداعظم کی اس تقریر کا اسلوب نہایت سلیس، واضح اور دل نشین ہے۔ انھوں نے اپنے فکر، خیال، جذبے اور حسنِ بیان کے زور سے اپنے فن کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ انھوں نے اپنے مدعا کو سیدھے سادے انداز میں بیان کر کے اپنا مقصد حاصل کیا۔ یہی مقصدیت ان کے فن کا امتیازی وصف ہے۔ اپنی تخلیقی جودت، کمالِ فن اور موزوں الفاظ کے چناؤ سے وہ اپنی تحریر و تقریر کو چار چاند لگا دیتے تھے۔ لطفِ زبان اور حسنِ بیان کی یہ خوبی دنیا کے کسی اور رہنما کے ہاں عنقا ہے۔ ان کا مخصوص اندازِ بیان ان کی فن کارانہ صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ راجہ رشید محمود اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کے مسلم عوام پر قائداعظم کی گفتگو کے
ایک ایک فقرے اور لفظ کا اثر ہوتا تھا۔ ان کی فراست، راست گوئی
اور خوداعتمادی کی مثالیں دیکھ کر ان کی عظمت کا اندازہ کرنا آسان ہو
جاتا ہے۔''(۹)

قائداعظم کے ارشادات، تقاریر اور خطوط کا اسلوب ادبی لطافت لبریز ہے۔ ان کی زبان اور اظہار و بیان میں قدرتی لچک موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سنجیدہ علمی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی موضوعات کو دل چسپ اور پُر لطف بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں جذبے اور فکر کی خوب صورت آمیزش پائی جاتی ہے۔ الفاظ کی موزونیت، لہجے کی متانت، انداز کی سنجیدگی اور جامعیت ان کی عبارات کا خاص وصف ہے۔ ان کے خیالات و تجربات اس قدر مؤثر ہیں کہ سامع اور قاری اسے ذہنی و فکری طور پر قبول کر کے اپنی شخصیت کا جزو بنا لیتا ہے۔ ابلاغ میں سنجیدگی اور اسلوب میں معنویت ان کے فن کو اعجاز بخشتی ہے۔

سیاسی، معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور علمی موضوعات بہت زیادہ خشک اور کثیف ہوتے ہیں۔ قائداعظم نے ان بے کیف اور کثیف موضوعات کو اپنے فن کی مہارت سے شگفتہ اور دل نشیں بنا دیا ۔ پاکستان کا حصول ایک کٹھن مرحلہ تھا لیکن قائد نے اپنے مخصوص آرٹ کے زیر اثر کی جانے والی تقاریر سے عام وخواص کے دل موہ لیے۔ انھوں نے برصغیر کی زندگی کے ہر پہلو پر پختگی اور روانی سے بات کر کے اپنی فن کارانہ صلاحیت کا لوہا منوایا۔ قائداعظم ۲۵ دسمبر ۱۹۴۲ء کو ایک تقریر کے دوران فرماتے ہیں: ''ہندوستان کے مسلمان مجھ سے اس قدر الفت ومحبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں نے وہی کچھ علی الاعلان کہا ہے جو کروڑوں مسلمانوں کے دل میں تھا۔''

وقار اصغر پیروز اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''وہ اپنی گفتگو اور خط وکتابت میں کبھی اپنی ذات اور بیماری کو زیرِ
بحث نہ لاتے۔ وہ جب جلسوں میں لوگوں سے خطاب کرتے تھے تو
ان کے لب ولہجہ سے ان کی بیماری کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔''(۱۰)

زندہ دلی اور خوش طبعی قائد کے مزاج کا جزوِ لاینفک تھی۔ اپنی بات سمجھانے کی غرض سے وہ اپنی تحریر و تقریر میں کوئی دل چسپ بات یا لطیفہ پیش کر دیتے تھے جس سے سامعین اور قارئین بے ساختہ مسکرا اٹھتے تھے۔ مزاح اور شگفتگی کا یہ انداز ان کی تحریر و تقریر کو پُر کیف بنا دیتا ہے۔ قائداعظم اپنی فہم و فراست اور فنی مہارت کے سہارے کسی بھی موقع پر مزاح کی دل چسپ صورتِ حال پیدا کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ناظرین وسامعین ان کے مزاح سے بھرپور طریقے سے حظ اٹھاتے تھے۔ قائداعظم برصغیر پاک وہند کے محکوم ومظلوم اور مسائل سے گھرے ہوئے مسلمانوں کے لیے اگر یہ

مزاحیہ اور شگفتہ اندازِ بیان اختیار نہ کرتے تو اُن کی تحریر و تقریر بے کیف اور بے اثر ثابت ہوتی۔ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے وہ مزاح کو ایک فنی حربے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس عمل سے وہ محفل کو زعفرانِ زار بنا دیتے تھے۔ قراردادِ پاکستان کی منظوری کے دوران ایک نشست میں قائد اعظم تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں مولوی فضل الحق شیرِ بنگال جلسہ گاہ میں نمودار ہوئے۔ شیرِ بنگال کے نعرے بلند ہونے لگے۔ قائد اعظم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ شیرِ بنگال آ گیا ہے۔ اس پر قائد اعظم نے مسکرا کر کہا: ''شیر آ گیا ہے تو میمنے کو چھپ جانا چاہیے۔'' چنانچہ آپ تقریر چھوڑ کر نیچے بیٹھ گئے۔ ان کی اس بذلہ سنجی سے پورا مجمع قہقہوں سے گونج اٹھا۔

ایک دفعہ لیجسلیٹو کونسل میں بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا:

''یہ بجٹ محض ایک اشک شوئی (Eye Wash) ہے۔''

انگریز فنانس ممبر نے جواباً کہا:

''ایک اشک شو (Eye Wash) دکھتی آنکھوں کے لیے بہتر ہے۔''

مسٹر جناح نے پلٹ کر جواب دیا:

''لیکن ان کے بارے میں کیا کہیں گے جن کی آنکھیں ہی نہیں ہیں۔''

مذکورہ مزاحیہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ قائد مزاحیہ مقصد کے حصول کے لیے موزوں الفاظ کے انتخاب اور حاضر دماغی سے کام لیتے تھے جن سے ان کے فن پاروں میں مزاحیہ کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ قائد کے مزاحیہ انداز اپنانے کا ایک سبب مایوس قوم کی افسردگی دور کر کے ان میں زندہ دلی پیدا کرنا تھا۔ ادبی لطافت اور شگفتگی ان کی تحریروں میں خوشبو کی طرح رچی بسی ہوئی ہے۔ ان کا خاص طرزِ بیان، موزوں الفاظ کا برمحل استعمال، مخصوص تکنیک اور حسِ مزاح اردو ادب کا گراں بہا سرمایہ ہے۔ محترمہ فاطمہ جناح قائد اعظم کی لطیفہ گوئی اور خوش مزاجی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''قائد اعظم محمد علی جناح گھریلو زندگی میں ہشاش بشاش انسان تھے۔ انھیں بے شمار لطیفے یاد تھے۔ وہ ہنسانے پر آتے تو پہروں ہنساتے رہتے۔ اگرچہ لوگ انھیں مضبوط اور سخت دل آدمی سمجھتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت نرم دل انسان تھے۔ وہ کسی کو دکھ میں دیکھتے تھے تو پریشان ہو جاتے تھے۔''(۱۱)

جامعیت ادب کی شان بڑھاتی ہے۔ جامعیت قائد اعظم کے فن کا بنیادی جزو تھی۔ وہ مختصر الفاظ میں جامع بات کرنے کے عادی تھے۔ وہ ادیب نہیں تھے، سیاست کے میدان کے مردِ مجاہد تھے

لیکن جامعیت اور ایجاز کے فن میں بڑے بڑے ادبا و علما ان کے آگے کان پکڑتے تھے۔ وہ اپنی بات کو طویل علمی بحثوں اور فلسفیانہ موشگافیوں میں الجھانے کی بجائے موزوں الفاظ کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جزئیات میں پیش کرتے تھے تاکہ بات کو عام سامعین با آسانی سمجھ سکیں۔ وہ اپنی تحریر و تقریر میں ایسے نپے تلے الفاظ کا استعمال کرتے تھے جو عام فہم اور بامعنی ہوتے تھے۔ انھوں نے غیر ضروری اور فالتو باتوں سے اپنی عبارت کو ابہام کا شکار نہیں ہونے دیا۔ درج ذیل عبارت قائداعظم کے سادہ اسلوب اور اختصار پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔''اسلام'' کے بارے تقریر کرتے ہوئے قائداعظم فرماتے ہیں: ''اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے، اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو اسلام نہیں ہے کیونکہ اسلام کا مطلب ہی عین انصاف ہے۔''

قائداعظم نے ثقیل اور مشکل الفاظ کو اپنی تحریر و تقریر کے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ انھوں نے اردو زبان کے روزمرہ استعمال ہونے والے الفاظ، تراکیب اور محاورات کو اپنے اسلوب کا حصہ بنا کر عام فہم بنا دیا۔ محمد سلیم ساقی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''اسلام کی ایک ایسی خوب صورت، مختصر اور جامع تعریف کسی علامہ اور مفتی سے نہیں ہو سکتی۔ قائد کا ہر بیان حکمت و دانش مندی کا نچوڑ ہوتا ہے۔ چند الفاظ میں بڑی سے بڑی بات کہہ جانا انھی کا خاصہ تھا۔'' (۱۲)

فن کی دنیا میں قائداعظم مقصدیت اور افادیت کے قائل ہیں۔ وہ جو بات کرتے تھے وہ با مقصد ہوتی تھی، جو عمل کرتے تھے اس میں افادیت کا پہلو ضرور موجود ہوتا تھا۔ ان کے ہاں خیالات کی عظمت، لہجے کی رجائیت، آواز کی رعونت اور بیان کی صداقت یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ ایک با مقصد فن کار تھے۔ انھوں نے اپنے فن کا رشتہ براہِ راست برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی زندگیوں سے جوڑ دیا۔ انھیں اس حقیقت کا ادراک تھا کہ فن انسانی زندگی کا نہ صرف معاون ہوتا ہے بلکہ خادم بھی ہوتا ہے۔ وہ اس امر سے آگاہ تھے کہ فن کا مقصد انسانیت کو قنوطیت کے اندھیروں سے نکال کر ان کی زندگی کو رجائیت کے نور سے روشن کرنا ہے۔ ان کے مؤقف میں اس قدر مضبوطی تھی کہ وہ اپنی بات پر ڈٹ جاتے تھے اور اپنے مشن سے دستبردار نہیں ہوتے تھے۔

۱۹۱۸ء میں جب قائداعظم نے ملک گیر شہرت حاصل نہیں کی تھی تو اس زمانے میں وزیر ہند مسٹر مانٹیگو چمسفورڈ ایک سکیم کے سلسلے میں ہندوستان آئے تو انھوں نے ہندوستانی لیڈروں تلک، گوکھلے اور دادا بھائی نوروجی کے علاوہ مسٹر محمد علی جناح سے بھی ملاقات کی۔ وہ اپنی ڈائری میں قائداعظم کے حوالے سے ان تاثرات کا اظہار کرتے ہیں:

> ''گفتگو میں منطقی داؤ پیچ کا زبردست ماہر۔ اپنی بات کو سولہ آنے منوانے کا مدعی۔ وہ اپنی رائے میں کسی ترمیم کا روادار نہیں۔ اگر اس

کی پوری بات نہ مانی جائے تو آدھی بات ماننے پر کبھی راضی نہیں ہو
گا۔لارڈ چمسفورڈ نے اس سے بحث کرنے کی کوشش کی لیکن جناح
کی قوتِ استدلال نے اسے پوری طرح الجھا کر چاروں شانے
چت گرادیا۔'' (۱۳)

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے فکر و خیال اور ادبی رجحانات کے ذریعے اردو زبان و ادب پر انمنٹ نقوش چھوڑے۔ ایک فن کار کی حیثیت سے وہ اعلیٰ مضامین، بلند تخیل اور حسن بیان کے قائل تھے۔انھوں نے اپنی تخلیقی قوت اور دستِ فکر کے زور سے مسلمانانِ ہند کی ہلکی نبض کو بنا ٹٹولے محسوس کیا اور اسے اپنے نظامِ فکر کے سانچے میں ڈھال کر تحریری اور تقریری صورت میں پیش کیا۔ وہ خود شب و روز غلامی کی فضاؤں میں سانس لیتے رہے۔انھیں قدم قدم پر حوادث کا سامنا رہا۔انھیں اہلِ ہند کی غلامی کا شدت سے احساس تھا۔ یہی احساس ان کے فن میں در آیا۔انھوں نے اپنے فن کو تاحیات مسلمانانِ برصغیر کی آزادی کے حصول کے لیے وقف کیے رکھا۔ان کے نظریۂ فن میں وسعت اور پیغام میں ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔انھوں نے زبان و بیان کی قدرت سے اپنے نظریہ کو اس انداز سے پیش کیا کہ ان کے فنی کمالات اور عظیم الشان خدمات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔انھوں نے اپنے مخصوص آرٹ سے مسلمانانِ برصغیر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور ایک راہ رو کی حیثیت سے منزل کے حصول کی طرف ان کی راہنمائی کی۔

حوالہ جات

۱۔ ولیم ٹامسن، ورٹے باٹ، معجم العربیہ (عربی اردو ڈکشنری)، ترجمہ: پنجاب ایڈوائزری بورڈ فار بکس، لاہور: مفید عام پریس، ۱۹۳۸ء، ص:۴۶۱

۲۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، اقبال اور جمالیات، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۱ء، ص:۲۵۸

۳۔ راجہ رشید محمود، اقبال، قائداعظم اور پاکستان، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۸۳ء، ص:۷۳۔۷۲

۴۔ قائداعظم محمد علی جناح، دی اسٹار آف انڈیا، ۷ جنوری ۱۹۳۸ء

۵۔ قائداعظم، مشمولہ: قائداعظم اور آزادی کی تحریک، مرتبہ: پروفیسر جیلانی کامران، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۰ء، ص:۱۰۴۔۱۰۳

۶۔ قائداعظم، مشمولہ: مفکرِ پاکستان علامہ اقبال، مرتبہ: آصف جاہ جعفری سید، ملتان: سوہنی دھرتی پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص:۲۱۲۔۲۱۱

۷۔ اقبال احمد صدیقی، قائداعظم: تقاریر و بیانات، جلد دوم، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۷ء، ص:۵۰۶

۸۔ راجہ رشید محمود، اقبال، قائداعظم اور پاکستان، لاہور: نذیر سنز، ۱۹۸۳ء، ص:۱۰۲

۹۔ راجہ رشید محمود، اقبال، قائداعظم اور پاکستان، ص:۷۳

۱۰۔ وقار اصغر پیروز، پیری میں بھی جواں ہے محمد علی جناح، فیصل آباد: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، س ن، ص:۱۶
۱۱۔ فاطمہ جناح، مشمولہ: مقام واحترامِ قائداعظم، مرتبہ: محمد سلیم ساقی، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص:۴۴
۱۲۔ محمد سلیم ساقی، مقام واحترامِ قائداعظم، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص:۸۹
۱۳۔ مانٹیگو چمسفورڈ، مشمولہ: حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ، مرتبہ: پرویز، لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ، ۱۹۹۵ء، ص:۶

☆......☆......☆